ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر محمد افضال بٹ

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ۔

ڈاکٹر سحر مبین

لیکچرار شعبہ اردو ، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ۔

ضیائے فردا بطور فکری استعارہ: نظم 'طلوعِ اسلام' میں اجتماعی بیداری اور احیائے ملت کا تنقیدی مطالعہ

Dr. Muhammad Afzal Butt *
Associate Professor, Department of Urdu, Govt College Women University, Sialkot.
Dr. Sehar Mobeen
Lecturer, Department of Urdu, Govt College Women University, Sialkot.

***Corresponding Author:**

The Splendor of Future As A Metaphor: Collective Awakening and the Revival of The Ummah in Iqbal's" Tolu-E-Islam

The poetry of Muhammad Iqbal occupies a central place in modern Urdu literature due to its profound intellectual, spiritual, and socio-political dimensions. His poem "TOLU-E-ISLAM" (The Rise of Islam) presents a comprehensive vision of decline and revival within the Muslim world. This paper examines the concept of the "Splendor of Future" as a central metaphor in the poem, arguing that it signifies not merely hope for the future but a conscious, ethical, and collective struggle grounded in self-awareness and action. By analyzing the thematic structure, symbolic language, and ideological underpinnings of the poem, the study demonstrates that Iqbal envisions revival

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

(ihya) as a multidimensional process involving intellectual renewal, moral reconstruction, and social unity. The paper further explores the contemporary relevance of this metaphor, suggesting that it offers a viable framework for addressing current crises of identity, fragmentation, and moral decline in Muslim societies. The study contributes to Iqbal scholarship by foregrounding a metaphor that integrates his philosophy of selfhood with his vision of collective awakening.

Key Words: *Iqbal, Tolu-E-Islam, Splendor of Future, Collective Awakening, Revival Of The Ummah, Selfhood, Urdu Poetry.*

اردو ادب میں علامہ اقبال کی شاعری کو محض جمالیاتی یا وجدانی اظہار کے دائرے میں محدود کرنا اُن کی فکری عظمت سے صرفِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔ اقبال کی نظموں میں فکر و عمل کی جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے، وہ انہیں ایک عہد ساز مفکر اور مصلح کے طور پر متعارف کراتی ہے۔ "طلوعِ اسلام" اسی سلسلے کی ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال نے ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے کی ایک سنجیدہ اور مربوط کوشش کی ہے۔

اس مقالے میں "ضیائے فردا" کو محض ایک شعری ترکیب کے طور پر نہیں بلکہ ایک فکری استعارے کے طور پر برتا گیا ہے، جو اقبال کے تصورِ مستقبل، امید اور احیائے ملت کو سمجھنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تناظر میں "طلوعِ اسلام" ایک ایسے متن کے طور پر سامنے آتی ہے جو ماضی کے تجربات، حال کی پیچیدگیوں اور مستقبل کے امکانات کو ایک وحدت میں پرو دیتی ہے۔

فکرِ اقبال پر اردو اور انگریزی میں وافر تنقیدی مواد دستیاب ہے، جس میں اقبال کے فلسفۂ خودی، تصورِ ملت اور سیاسی و تہذیبی افکار پر مختلف زاویوں سے بحث کی گئی ہے۔ تاہم "طلوعِ اسلام" کے حوالے سے زیادہ تر مطالعات عمومی نوعیت کے ہیں، جن میں اس نظم کو محض ایک ولولہ انگیز خطاب کے طور پر دیکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال اور دیگر محققین نے اقبال کی فکری جہات کو ضرور واضح کیا ہے، مگر "ضیائے فردا" کو بطور ایک مرکزی استعارہ اختیار کر کے اس نظم کا باقاعدہ تنقیدی مطالعہ کم ہی سامنے آیا ہے۔ یہی خلا اس تحقیق کو ایک منفرد جہت عطا کرتا ہے۔

اس مقالے کی نظریاتی بنیاد علامتی و فکری تنقید (Symbolic and Ideological Criticism) پر استوار ہے۔ "ضیائے فردا" کو ایک ایسے استعارے کے طور پر دیکھا گیا ہے جو محض شعری حسن کا حصہ نہیں بلکہ ایک فکری اور تہذیبی بیانیہ تشکیل دیتا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

ماخذ تحقیقی مجلہ

اقبال کے ہاں استعارہ جامد نہیں بلکہ متحرک ہوتا ہے، جو قاری کو معنی کی نئی پرتوں تک رسائی فراہم کرتا ہے۔ اسی اصول کے تحت "ضیائے فردا" کو ایک فعال اور تحریکی تصور کے طور پر سمجھا گیا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(ص:۲۷۴) (۱)

"ضیائے فردا" دو بنیادی عناصر پر مشتمل ہے: "ضیا" (روشنی) اور "فردا" (مستقبل)۔ یہ مرکب ایک ایسے تصور کو جنم دیتا ہے جو امید، شعور اور عمل کی ہم آہنگی کا مظہر ہے۔

اقبال کے فکری نظام میں یہ روشنی محض خارجی نہیں بلکہ داخلی بیداری کی علامت ہے۔ یہ وہ نور ہے جو فرد کی خودی کو جلا بخشتا ہے اور اسے اجتماعی سطح پر ایک فعال کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس طرح "ضیائے فردا" ایک ایسا استعارہ بن جاتا ہے جو مستقبل کی تشکیل کو حال کی جدوجہد سے وابستہ کرتا ہے۔ "طلوعِ اسلام" کا بنیادی مقصد ملت کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنا ہے۔ اقبال اس نظم میں بار بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ زوال کی اصل وجہ بیرونی نہیں بلکہ داخلی کمزوریاں ہیں۔ اجتماعی بیداری کے لیے اقبال جن عناصر پر زور دیتے ہیں، ان میں شامل ہیں:

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکرے ٹکرے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا۔

(ص:۴۷) (۲)

علامہ **محمد اقبال** کے فکری نظام میں "خودی" محض ایک داخلی کیفیت نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر شعور کا نام ہے، جو فرد کو اپنی حقیقت، اپنی قوت اور اپنے مقصدِ حیات سے آشنا کرتا ہے۔ "خودی کی بازیافت" دراصل اسی کھوئی ہوئی پہچان کی واپسی ہے، جس کے بغیر نہ فرد اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی معاشرہ اپنی اجتماعی شناخت کو محفوظ بنا سکتا ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

اقبال کے نزدیک خودی کا مفہوم خود غرضی یا انا پرستی سے یکسر مختلف ہے۔ یہ ایک ایسا شعور ہے جو انسان کو اس کی باطنی صلاحیتوں سے روشناس کراتا ہے اور اسے ایک ذمہ دار، باوقار اور باعمل ہستی میں ڈھالتا ہے۔ جب فرد اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر ایک ایسی فکری اور عملی توانائی پیدا ہوتی ہے جو اسے جمود، خوف اور احساسِ کمتری سے نجات دلاتی ہے۔

"خودی کی بازیافت" کا عمل دراصل ایک مسلسل جدوجہد ہے، جو فرد کو اپنے باطن کی گہرائیوں میں جھانکنے اور اپنی حقیقی قدر و قیمت کو سمجھنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ بازیافت علم، شعور اور عمل کے باہمی امتزاج سے ممکن ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک وہی فرد حقیقی معنوں میں زندہ ہے جو اپنی خودی کو مسلسل تقویت دیتا رہے اور اسے اجتماعی فلاح کے لیے بروئے کار لائے۔

نظم "طلوعِ اسلام" کے تناظر میں خودی کی بازیافت ایک اجتماعی ضرورت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اقبال واضح کرتے ہیں کہ ملت کا زوال دراصل افراد کی خودی کے زوال کا نتیجہ ہے۔ جب فرد اپنی داخلی قوت سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ خارجی قوتوں کا محتاج بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس، جب خودی بیدار ہوتی ہے تو فرد نہ صرف اپنی تقدیر بدلنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے بلکہ اجتماعی سطح پر بھی ایک مثبت تبدیلی کا محرک بنتا ہے۔

خودی کی بازیافت کا ایک اہم پہلو اخلاقی تربیت ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی کی تکمیل صداقت، دیانت، شجاعت اور عدل جیسے اوصاف کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ اوصاف نہ صرف فرد کی شخصیت کو نکھارتے ہیں بلکہ ایک متوازن اور عادلانہ معاشرے کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح خودی محض ایک انفرادی تجربہ نہیں رہتی بلکہ ایک سماجی قوت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

نظم طلوعِ اسلام میں خودی کا تصور محض انفرادی شعور نہیں بلکہ ایک بیدار، باعمل اور اجتماعی قوت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی وہ جوہر ہے جو انسان کو غلامی، جمود اور احساسِ کمتری سے نکال کر عمل، یقین اور خود اعتمادی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ "طلوعِ اسلام" میں یہی خودی ملتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد بنتی ہے، جہاں فرد اپنی پہچان کو پہچان کر اجتماعی عظمت میں ڈھل جاتا ہے۔ اقبال خودی کو عشق، عمل اور یقین سے جلا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک ایسی بیداری پیدا ہوتی ہے جو زوال کو عروج میں بدل سکتی ہے۔ اس نظم میں وہ واضح کرتے ہیں کہ اگر ملت اپنی اصل روحِ ایمان، علم اور عملکو دوبارہ زندہ کرلے تو اس کا عروج یقینی ہے:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہ اشعار در حقیقت "ضیائے فردا" کے زندہ اور عملی استعارے ہیں، جو ایک ایسے روشن مستقبل کی نوید دیتے ہیں جہاں فرد اور ملت ایک نئے سماجی اور عالمی کردار کے ساتھ ابھرتے ہیں۔ ان میں خودی کی بیداری، امید کی توانائی اور عمل کی حرکی قوت اس انداز سے جلوہ گر ہے کہ انسان اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچان کر نہ صرف اپنی ذات کو سنوارتا ہے بلکہ اجتماعی تقدیر کی تعمیر میں بھی مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

عصرِ حاضر میں، جہاں انسان مختلف سطحوں پر فکری انتشار اور شناخت کے بحران کا شکار ہے، خودی کی بازیافت کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جدید معاشرتی دباؤ، مادی ترجیحات اور تقلیدی رویے فرد کو اس کی اصل سے دور کر دیتے ہیں۔ ایسے میں اقبال کا پیغام یہ ہے کہ انسان اپنی داخلی قوت کو پہچانے، اپنی اقدار کو مضبوط کرے اور اپنی زندگی کو ایک بامقصد سمت دے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ "خودی کی بازیافت" محض ایک فلسفیانہ تصور نہیں بلکہ ایک عملی اور تحریکی عمل ہے، جو فرد کی اصلاح سے شروع ہو کر معاشرے کی تعمیر تک پہنچتا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہی وہ بنیادی مرحلہ ہے جس کے بغیر نہ "ضیائے فردا" کا تصور حقیقت بن سکتا ہے اور نہ ہی "احیائے ملت" کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

ہرے ہیں چرخ نیلی نام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کے گرداں ہوں، وہ کارواں توں ہے
دکاں خالی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

(ص:۴۶۸)[۳]

علامہ **محمد اقبال** کے فکری نظام میں اتحاد و یگانگت محض سماجی ہم آہنگی کا عنوان نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک قوت ہے جو بکھرے ہوئے افراد کو ایک بامعنی اجتماعی وجود میں ڈھالتی ہے۔ اقبال کے نزدیک ملت کی اصل

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

طاقت اس کے وسائل یا تعداد میں نہیں، بلکہ اس کے باہمی ربط، فکری ہم آہنگی اور مقصد کی وحدت میں پوشیدہ ہوتی ہے۔

اتحاد کا تصور اقبال کے ہاں خارجی نظم سے آگے بڑھ کر داخلی شعور سے وابستہ ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حقیقی یگانگت اسی وقت ممکن ہے جب افراد کے درمیان محض مفاداتی تعلق نہیں بلکہ ایک مشترک فکری اور اخلاقی بنیاد موجود ہو۔ اس بنیاد کا سرچشمہ ایمان، خودی کی آگہی اور مشترکہ نصب العین ہے۔ جب یہ عناصر مجتمع ہوتے ہیں تو ایک ایسا اجتماعی شعور جنم لیتا ہے جو قوم کو زوال سے نکال کر عروج کی سمت گامزن کرتا ہے۔

خودی میں ڈوب غافل! یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقہ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

(ص:۱۷۴)(۴)

"طلوعِ اسلام" کے تناظر میں اقبال نے اتحاد کو احیائے ملت کی ناگزیر شرط قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک تفرقہ اور باہمی نزاع وہ عوامل ہیں جو کسی بھی مضبوط معاشرتی ڈھانچے کو اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ جب قوم فکری اور عملی سطح پر منتشر ہو جائے تو اس کی توانائیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ بیرونی قوتوں کے لیے آسان ہدف بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس، یگانگت ایک ایسی قوت ہے جو منتشر صلاحیتوں کو یکجا کر کے انہیں تعمیری سمت عطا کرتی ہے۔

اقبال کا تصورِ اتحاد جامد یا یک رنگی پر مبنی نہیں ہے۔ وہ تنوع کے اندر وحدت کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مختلف طبقات، افکار اور رجحانات کا وجود ایک فطری امر ہے، لیکن ان سب کو ایک مشترک مقصد کے تحت مربوط ہونا چاہیے۔ یہی مربوط تنوع ایک صحت مند اور مضبوط معاشرے کی علامت ہے۔ اس طرح اتحاد کا مطلب انفرادیت کا خاتمہ نہیں بلکہ اس کا اجتماعی سطح پر مثبت اظہار ہے۔

یہی مقصود ملت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

ماخذ تحقیقی مجلہ

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

(ص:۴۶)[۵]

اخلاقی اعتبار سے بھی اتحاد و یگانگت کی جڑیں باہمی احترام، رواداری اور عدل میں پیوست ہیں۔ اقبال اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ جب تک افراد ایک دوسرے کے حقوق کا خیال نہیں رکھیں گے اور باہمی اعتماد کو فروغ نہیں دیں گے، اس وقت تک حقیقی اتحاد ممکن نہیں۔ اس لیے یگانگت محض نعرہ نہیں بلکہ ایک عملی اور اخلاقی رویہ ہے، جسے روزمرہ زندگی میں برتنا ضروری ہے۔ طلوعِ اسلام میں اتحاد و یگانگت کا تصور ملت کی بقا اور عروج کی بنیادی شرط کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اقبال یہ واضح کرتے ہیں کہ امت کی اصل طاقت اس کے اجتماعی شعور، فکری ہم آہنگی اور ایک ہی نظریاتی مرکز پر استقامت میں پوشیدہ ہے۔ جب فرد اپنی ذات کے دائرے سے نکل کر ملت کے وجود کا حصہ بن جاتا ہے تو وہی وحدت ایک ایسی قوت بن جاتی ہے جو زوال کو عروج میں بدل سکتی ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا إلہٰ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا إلہٰ الا اللہ

ان اشعار میں علامہ اقبال نے وحدتِ فکر اور وحدتِ عقیدہ کو ملت کی اجتماعی طاقت کے طور پر پیش کیا ہے، جو مختلف افراد کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں ایک مضبوط اور ہم آہنگ امت کی صورت عطا کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلم معاشرے جن مسائل کا شکار ہیں، ان میں سب سے نمایاں مسئلہ انتشار اور تقسیم ہے۔ فکری اختلافات، مسلکی تعصبات اور ذاتی مفادات نے اجتماعی وحدت کو کمزور کر دیا ہے۔ ایسے حالات میں اقبال کا پیغام اتحاد نہایت اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ وہ ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ مشترکہ مقاصد اور اجتماعی مفاد کو ذاتی ترجیحات پر فوقیت دیے بغیر کوئی بھی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ اتحاد و یگانگت اقبال کے فکری نظام میں ایک بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ قوت ہے جو خودی کی بازیافت کو اجتماعی سطح پر مؤثر بناتی ہے اور "ضیائے فردا" کو ایک عملی حقیقت میں تبدیل

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

کرتی ہے۔ جب افراد ایک مشترک شعور اور مقصد کے تحت متحد ہوتے ہیں تو نہ صرف ان کی اجتماعی شناخت مستحکم ہوتی ہے بلکہ احیائے ملت کا خواب بھی حقیقت کے قریب تر آ جاتا ہے۔

علامہ **محمد اقبال** کے فکری نظام میں "عمل" اور "جدوجہد" محض اخلاقی نصیحتیں نہیں بلکہ زندگی کے اساسی اصول ہیں، جن کے بغیر نہ فرد اپنی معنویت برقرار رکھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی قوم اپنی تاریخی ذمہ داری ادا کر سکتی ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی سکون اور جمود کا نام نہیں بلکہ ایک مسلسل حرکت، کشمکش اور تخلیقی پیش رفت کا عمل ہے۔

اقبال کے ہاں عمل کا مفہوم سطحی سرگرمی تک محدود نہیں بلکہ ایک بامقصد، شعوری اور اصولی کوشش ہے، جو انسان کو اس کے اعلیٰ امکانات کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ محض خیالات، خواہ کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں، اس وقت تک مؤثر نہیں ہوتے جب تک وہ عملی صورت اختیار نہ کر لیں۔ اسی لیے اقبال فکر اور عمل کے درمیان ایک ناگزیر ربط قائم کرتے ہیں، جہاں سوچ رہنمائی فراہم کرتی ہے اور عمل اسے حقیقت میں ڈھالتا ہے۔

"طلوعِ اسلام" کے تناظر میں عمل اور جدوجہد ایک اجتماعی ضرورت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اقبال واضح کرتے ہیں کہ زوال کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ قومیں اپنے نظریات کو عملی میدان میں برتنے سے گریز کرتی ہیں۔ جب عمل کی جگہ محض آرزو لے لے تو معاشرہ تدریجاً کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس، مسلسل جدوجہد ایک ایسی قوت پیدا کرتی ہے جو ناممکن کو ممکن بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اقبال کے نزدیک جدوجہد کا عمل صرف خارجی رکاوٹوں کے خلاف نہیں بلکہ داخلی کمزوریوں کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ انسان کو اپنی سستی، خوف، تذبذب اور احساسِ کمتری پر قابو پانا ہوتا ہے۔ یہی داخلی جہاد دراصل خارجی کامیابی کی بنیاد بنتا ہے۔ اس طرح جدوجہد ایک ہمہ جہت عمل بن جاتی ہے، جو فرد کی شخصیت کو نکھارتا اور اسے ایک مضبوط اجتماعی کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

(ص:۲۶۹) (۶)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17
ماخذ تحقیقی مجلہ

عمل اور جدوجہد کا ایک اہم پہلو استقامت ہے۔ اقبال کے نزدیک وقتی کوشش یا عارضی سرگرمی کسی دیرپا تبدیلی کا باعث نہیں بنتی۔ وہ مسلسل، منظم اور بامقصد جدوجہد پر زور دیتے ہیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ نتائج پیدا کرتی ہے۔ اس میں ناکامی بھی ایک مرحلہ ہوتی ہے، نہ کہ انجام۔ یہی نقطۂ نظر انسان کو مایوسی سے بچاتا اور اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفون دریا زیر دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے

(ص:۴۷۰) (۷)

اخلاقی اعتبار سے بھی عمل کی بنیاد نیت اور دیانت پر قائم ہوتی ہے۔ اقبال اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ جدوجہد محض ذاتی مفاد کے لیے نہ ہو بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر اجتماعی فلاح تک پہنچے۔ جب عمل ذاتی خواہش سے نکل کر اجتماعی بھلائی کا ذریعہ بن جائے تو وہی جدوجہد احیائے ملت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صدرت گر تقدیر ملت ہے

(ص:۴۷۰)(۸)

عصرِ حاضر میں جہاں سہولت پسندی، فوری نتائج کی خواہش اور فکری انتشار عام ہے، عمل اور جدوجہد کا تصور ایک نئی اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ جدید انسان اکثر نظریاتی سطح پر تو متحرک دکھائی دیتا ہے، مگر عملی میدان میں کمزور پڑ جاتا ہے۔ اقبال کا پیغام اس خلا کو پُر کرتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ ترقی کا کوئی بھی راستہ مسلسل محنت، نظم اور استقامت کے بغیر طے نہیں کیا جا سکتا۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ عمل اور جدوجہد اقبال کے فکری نظام میں وہ بنیادی قوت ہیں جو "خودی" کو جلا بخشتی ہیں، اتحاد کو مضبوط کرتی ہیں اور "ضیائے فردا" کو ایک عملی حقیقت میں بدل دیتی ہیں۔ جب فرد اور قوم دونوں عمل کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں تو احیائے ملت محض ایک تصور نہیں رہتا بلکہ ایک جاری اور محسوس عمل بن جاتا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

ماخذ تحقیقی مجلہ

علامہ **محمد اقبال** کے فکری نظام میں اخلاقی اقدار محض وعظ و نصیحت کا موضوع نہیں بلکہ انسانی زندگی کی بنیاد اور معاشرتی استحکام کی اصل روح ہیں۔ اقبال کے نزدیک کوئی بھی تہذیب اُس وقت تک دیرپا اور مؤثر نہیں ہو سکتی جب تک اس کی جڑیں مضبوط اخلاقی اصولوں میں پیوست نہ ہوں۔ اسی لیے وہ فرد کی اصلاح کو معاشرے کی اصلاح کا نقطۂ آغاز قرار دیتے ہیں۔

اخلاقی اقدار کی پاسداری کا مفہوم اقبال کے ہاں رسمی نیکی یا ظاہری پرہیز گاری تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک باطنی کیفیت ہے جو انسان کے فکر، کردار اور عمل میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ صداقت، امانت، عدل، شجاعت اور ایثار جیسے اوصاف وہ بنیادی ستون ہیں جن پر ایک باوقار شخصیت کی تعمیر ممکن ہوتی ہے۔ جب یہ اوصاف فرد کی ذات میں راسخ ہو جاتے ہیں تو اس کا کردار محض ذاتی نہیں رہتا بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔

"طلوعِ اسلام" کے تناظر میں اقبال اخلاقی زوال کو ملت کے انحطاط کی ایک بنیادی وجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جب قومیں اپنے اصولوں سے انحراف کرتی ہیں اور مفاد پرستی، بددیانتی اور ناانصافی کو معمول بنالیتی ہیں تو ان کی اجتماعی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس کے برعکس، اخلاقی استحکام ایک ایسی قوت ہے جو نہ صرف داخلی نظم کو مضبوط کرتا ہے بلکہ بیرونی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک اخلاقی اقدار کی پاسداری کا تعلق محض فرد کے ذاتی کردار سے نہیں بلکہ اجتماعی نظام سے بھی ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں انصاف کو فروغ حاصل ہو، جہاں حقوق و فرائض کا توازن برقرار ہو، اور جہاں انسانی وقار کا احترام کیا جائے، وہی دراصل ایک صحت مند اور ترقی یافتہ معاشرہ کہلا سکتا ہے۔ اس طرح اخلاقیات ایک انفرادی وصف کے ساتھ ساتھ ایک سماجی ضرورت بھی بن جاتی ہے۔

اخلاقی تربیت کے بغیر خودی کی تکمیل ممکن نہیں۔ اقبال کے فلسفۂ خودی میں اخلاقیات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ یہی وہ عنصر ہے جو طاقت کو توازن دیتا ہے اور آزادی کو ذمہ داری سے جوڑتا ہے۔ اگر خودی کے ساتھ اخلاقی شعور نہ ہو تو وہ قوت تخریب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، لیکن جب اسے اخلاقی اقدار کی رہنمائی حاصل ہو تو یہی خودی تعمیر و ارتقا کا سبب بنتی ہے۔

عصرِ حاضر میں جب مادی ترقی کو اکثر اخلاقی اصولوں پر ترجیح دی جا رہی ہے، اخلاقی اقدار کی پاسداری کا تصور ایک نئے چیلنج کے طور پر سامنے آتا ہے۔ سماجی روابط میں کمزوری، اعتماد کا فقدان اور انصاف کی کمی جیسے مسائل

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اخلاقی بنیادیں کمزور ہو رہی ہیں۔ ایسے حالات میں اقبال کا پیغام ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ حقیقی ترقی صرف مادی نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی توازن کے بغیر نامکمل ہے۔

نظم طلوعِ اسلام میں اخلاقی اقدار کی پاسداری کو فرد اور ملت دونوں کی فکری و عملی تعمیر کا بنیادی ستون قرار دیا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک سچائی، کردار کی مضبوطی اور روحانی بالیدگی کے بغیر کوئی قوم حقیقی ترقی اور پائیدار عروج حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اخلاقی انحطاط کسی بھی تہذیب کے زوال کی پہلی علامت ہوتا ہے، جبکہ اعلیٰ اخلاقی قدریں ہی اسے دوبارہ زندگی اور وقار عطا کرتی ہیں۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہو گا

علامہ اقبال ایک ایسے دور کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں حقیقتیں اپنے پردوں سے باہر آ رہی ہیں اور انسان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے کردار اور اخلاق کو اس نئے فکری انکشاف کے مطابق سنوارے۔ اس کے علاوہ نظم میں اخلاقی بیداری اور اجتماعی شعور کے دیگر پہلو بھی مختلف علامتی اسالیب میں بیان ہوئے ہیں، جو مجموعی طور پر فرد کو سچائی، دیانت اور ذمہ داری کے اعلیٰ معیار تک پہنچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ اخلاقی اقدار کی پاسداری اقبال کے فکری نظام میں وہ بنیادی عنصر ہے جو فرد کی تطہیر، معاشرے کی اصلاح اور ملت کے احیاء کو ممکن بناتا ہے۔ یہی اقدار "ضیائے فردا" کی روشنی کو پائیدار بناتی ہیں اور اجتماعی بیداری کو ایک مضبوط اور دیرپا سمت عطا کرتی ہیں۔ اقبال کے نزدیک احیائے ملت ایک ہمہ گیر عمل ہے، جو محض سیاسی آزادی تک محدود نہیں بلکہ فکری، اخلاقی اور تہذیبی سطحوں پر محیط ہے۔

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(ص:۳۶۷)[۹]

علامہ محمد اقبال کی نظم "طلوعِ اسلام" اردو شاعری میں اس اسلوبیاتی حسن کی حامل ہے جس میں فکر کی گہرائی اور اظہار کی توانائی ایک وحدت میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ نظم محض خیالات کی ترسیل نہیں بلکہ ایک ایسی فکری

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

ماخذ تحقیقی مجلہ

اور جمالیاتی تشکیل ہے جس میں زبان خود ایک تحریک بن جاتی ہے۔ اقبال نے اس نظم میں ایسے اسلوبیاتی عناصر استعمال کیے ہیں جو قاری کے ذہن و دل دونوں کو متاثر کرتے ہیں اور اسے ایک فکری تجربے میں شامل کر لیتے ہیں۔

اقبال کی اس نظم کا ایک نمایاں وصف اس کی تراکیب کی قوت اور تاثیر ہے۔ وہ سادہ الفاظ کو اس طرح جوڑتے ہیں کہ معنی میں وسعت اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی تراکیب محض لسانی حسن نہیں بلکہ فکری توانائی کا اظہار ہیں۔

"طلوعِ اسلام" میں استعمال ہونے والی تراکیب قاری کے ذہن میں ایک واضح تصویر قائم کرتی ہیں اور فکر کو متحرک کرتی ہیں۔ اقبال کا اسلوب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ وہ کم الفاظ میں زیادہ معنی سمو دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جس سے ان کی شاعری میں اختصار کے ساتھ ساتھ معنوی وسعت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی رہی
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
نوا پیدا ہوا اے بلبل کر ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

(ص:۴۶۷) (۱۰)

اقبال کی شاعری میں علامت نگاری ایک بنیادی اسلوبیاتی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ "طلوعِ اسلام" میں بھی وہ مختلف علامات کے ذریعے فکری تصورات کو مجسم صورت میں پیش کرتے ہیں۔

روشنی، طلوع، رات، اندھیرا اور قافلہ جیسے استعارے محض شعری آرائش نہیں بلکہ فکری نظام کے نمائندہ اشارے ہیں۔ یہ علامات زوال اور عروج، مایوسی اور امید، اور جمود و حرکت کے درمیان تضاد کو نہایت مؤثر انداز میں واضح کرتی ہیں۔ اس علامتی زبان کے ذریعے اقبال قاری کو براہِ راست فکر کی گہرائی میں لے جاتے ہیں۔

اقبال کی فکری بنیاد قرآن مجید کے تصورات پر استوار ہے، اور "طلوعِ اسلام" میں یہ نسبت واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ وہ براہِ راست یا بالواسطہ طور پر قرآنی آیات اور قرآنی تصورات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جن سے نظم کو ایک مقدس اور فکری وقار حاصل ہوتا ہے۔

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17
ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ تلمیحات نظم کو محض ادبی متن نہیں رہنے دیتیں بلکہ اسے ایک فکری و روحانی مکالمے میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ قرآنی اشارے اقبال کے پیغام کو تاریخی محدودیت سے نکال کر آفاقی سطح پر لے جاتے ہیں، جس سے اس کی معنویت ہر دور میں برقرار رہتی ہے۔

"طلوعِ اسلام" کی ایک بڑی خصوصیت اس کی صوتیاتی اور ترنمی فضا ہے۔ اقبال نے اس نظم میں ایسی روانی اور آہنگ پیدا کیا ہے جو قاری کے اندر ایک داخلی تحریک پیدا کرتا ہے۔ اشعار کی ترتیب، لفظوں کا انتخاب اور صوتی توازن مل کر ایک ایسی موسیقیت پیدا کرتے ہیں جو نظم کے فکری پیغام کو مزید مؤثر بنا دیتی ہے۔ یہ ترنم محض صوتی حسن نہیں بلکہ ایک فکری روانی ہے جو قاری کو ایک تسلسل کے ساتھ آگے بڑھنے پر آمادہ کرتی ہے۔

اسلوبیاتی اعتبار سے "طلوعِ اسلام" ایک ایسی نظم ہے جس میں پُراثر تراکیب، علامتی زبان، قرآنی تلمیحات اور ترنم کی فضا باہم مل کر ایک ہم آہنگ فکری اور جمالیاتی تجربہ تشکیل دیتے ہیں۔ اقبال نے ان عناصر کو محض فنی لوازمات کے طور پر استعمال نہیں کیا بلکہ انہیں اپنے فکری پیغام کی ترسیل کا مؤثر ذریعہ بنایا ہے۔ یوں یہ نظم نہ صرف ایک ادبی شاہکار ہے بلکہ اسلوب اور فکر کے امتزاج کی ایک روشن مثال بھی ہے، جو قاری کو بیداری، شعور اور عمل کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

اگر اس نظم کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ "ضیائے فردا" ایک ایسا تصور ہے جو مایوسی کے بیانیے کو رد کر کے امید اور عمل کا راستہ دکھاتا ہے۔ تاہم، یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبال کا پیش کردہ مثالی نظام عملی دنیا میں کئی چیلنجز سے دوچار ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود، اس نظم کی سب سے بڑی قوت اس کا تحریکی اور تعمیری پہلو ہے، جو قاری کو ایک فعال اور باشعور فرد میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

علامہ محمد اقبال کے فکری نظام میں مستقبل کا تصور محض زمانی تسلسل نہیں بلکہ ایک شعوری، اخلاقی اور تہذیبی امکان ہے، جسے ہم "ضیائے فردا" کے استعارے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ آج کے دور میں یہ تصور غیر معمولی معنویت اختیار کر چکا ہے، کیونکہ جدید معاشرہ فکری انتشار، شناخت کے بحران، اخلاقی زوال اور اجتماعی کمزوری جیسے مسائل سے دوچار ہے۔ اس پس منظر میں "ضیائے فردا" ایک مربوط فکری جواب فراہم کرتا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی سطح پر رہنمائی کا ذریعہ بنتا ہے۔

عصرِ حاضر کی ایک بڑی حقیقت فکری انتشار ہے، جہاں متضاد نظریات، غیر متوازن معلومات اور تیز رفتار تبدیلیاں انسانی ذہن کو غیر مستحکم بنا دیتی ہیں۔ ایسے ماحول میں "ضیائے فردا" ایک مربوط اور متوازن بیانیہ پیش

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

کرتا ہے جو مقصد، سمت اور اصول فراہم کرتا ہے۔ یہ تصور فرد کو محض ردِ عمل دینے والی مخلوق کے بجائے ایک سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے والی باشعور ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس طرح فکری انتشار کے مقابل یہ تصور ایک داخلی استحکام اور فکری وحدت پیدا کرتا ہے، جو کسی بھی صحت مند معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔

جدید دنیا میں شناخت کا بحران ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے، جہاں فرد اپنی تہذیبی، اخلاقی اور فکری جڑوں سے کٹتا جارہا ہے۔ "ضیائے فردا" اس بحران کے مقابل ایک واضح فکری سمت فراہم کرتا ہے۔ یہ تصور فرد کو اس کی اصل سے جوڑتا ہے اور اسے اپنی تہذیبی و فکری بنیادوں کی طرف واپس لے جاتا ہے۔ اقبال کے فکری نظام کے مطابق شناخت کی بحالی اسی وقت ممکن ہے جب فرد اپنی خودی کو پہچانے اور اسے ایک اجتماعی شعور کا حصہ بنائے۔ اس طرح "ضیائے فردا" محض مستقبل کی امید نہیں بلکہ شناخت کی بازیافت کا ذریعہ بھی ہے۔ اخلاقی انحطاط عصرِ حاضر کا ایک نمایاں مسئلہ ہے، جس نے فرد اور معاشرے دونوں کو متاثر کیا ہے۔ سچائی، دیانت، انصاف اور ذمہ داری جیسے اصول کمزور ہوتے جارہے ہیں۔ اس صورتِ حال میں "ضیائے فردا" اخلاقی اقدار کی تجدید کا ایک فکری امکان فراہم کرتا ہے۔ یہ تصور اس بات پر زور دیتا ہے کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی محض مادی ترقی سے ممکن نہیں بلکہ اخلاقی بنیادوں کے استحکام سے مشروط ہے۔ اقبال کے فکری تناظر میں اخلاقیات محض انفرادی خوبی نہیں بلکہ اجتماعی نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، جن کے بغیر کوئی بھی تہذیب دیرپا نہیں ہوسکتی۔

اجتماعی انتشار اور ادارہ جاتی کمزوری آج کے معاشروں کا ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ "ضیائے فردا" اس حوالے سے ایک منظم اجتماعی ڈھانچے کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے، جہاں افراد ایک مشترکہ مقصد کے تحت مربوط ہوں۔ یہ تصور اتحاد، تعاون اور ذمہ داری کے اصولوں پر مبنی ایک ایسے اجتماعی نظم کی تشکیل کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس میں انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان توازن برقرار رہے۔ اقبال کے نزدیک مضبوط معاشرہ وہی ہے جس میں افراد اپنی صلاحیتوں کو اجتماعی فلاح کے لیے استعمال کریں۔

عصرِ حاضر میں "ضیائے فردا" محض ایک شاعرانہ استعارہ نہیں بلکہ ایک فکری ضرورت ہے۔ یہ تصور فکری انتشار کے مقابل ایک مربوط بیانیہ، شناخت کے بحران کا حل، اخلاقی اقدار کی بحالی اور اجتماعی نظم کی تشکیل کے لیے ایک جامع فکری فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اقبال کا فکری پیغام آج بھی اسی شدت اور تازگی کے ساتھ موجود ہے، جو انسان کو فرد سے قوم اور قوم سے ایک بامقصد تہذیبی وحدت کی طرف لے جاتا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17

زیرِ مطالعہ تجزیے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نظم "طلوعِ اسلام" کسی محدود تاریخی پس منظر تک محصور نہیں رہتی، بلکہ اپنے اندر ایک آفاقی فکری نظام سموئے ہوئے ہے۔ اس نظم کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ زوال کسی قوم کی تقدیر نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک قابلِ اصلاح کیفیت ہے جسے شعور، عمل اور اجتماعی بیداری کے ذریعے بدلا جا سکتا ہے۔ اس تناظر میں یہ نظم محض ماضی کا نوحہ نہیں رہتی بلکہ حال اور مستقبل کے لیے ایک فکری منشور کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

"ضیائے فردا" علامتی سطح پر اقبال کے فکری نظام میں ایک متحرک اور تعمیری استعارہ ہے، جو امید، شعور اور عملی جدوجہد کو باہم مربوط کرتا ہے۔ یہ استعارہ اس امر کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ مستقبل کی تشکیل محض خواہشات سے نہیں بلکہ حال کی فکری بیداری اور عملی کاوش سے وابستہ ہے۔ اس طرح یہ تصور قاری کو ایک فعال، باشعور اور ذمہ دار فرد کے طور پر متحرک کرتا ہے۔

اسی طرح "طلوعِ اسلام" میں اجتماعی بیداری کو احیائے ملت کی بنیادی شرط کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کے ہاں فرد اور ملت کا رشتہ ایک نامیاتی تعلق رکھتا ہے، جہاں فرد کی بیداری دراصل اجتماعی شعور کی بنیاد بنتی ہے۔ جب تک فرد اپنی خودی، ذمہ داری اور کردار کو نہیں پہچانتا، اس وقت تک کسی بھی اجتماعی تبدیلی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

اقبال کے تصورِ مستقبل کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسے محض آرزو یا خواب کی سطح پر نہیں رکھتے، بلکہ اسے عمل، شعور اور جدوجہد سے مربوط کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مستقبل کی روشنی خود بخود نمودار نہیں ہوتی، بلکہ اسے حال کی تاریکیوں میں شعور اور عمل کے چراغ روشن کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔

یوں "ضیائے فردا بطور فکری استعارہ" نظم "طلوعِ اسلام" کو ایک نئی تنقیدی جہت فراہم کرتا ہے، جس کے ذریعے اقبال کے فکری نظام کو زیادہ جامع انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ استعارہ اس بنیادی حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اقبال کے نزدیک مستقبل کی تعمیر کا انحصار حال کی بیداری اور عملی جدوجہد پر ہے۔

آخر کار یہ کہا جا سکتا ہے کہ "طلوعِ اسلام" ایک زندہ فکری دستاویز ہے، جو ہر عہد کے انسان کو خود شناسی، اجتماعی شعور اور مسلسل عمل کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہی اس نظم کی اصل فکری قوت اور اس کی دائمی معنویت ہے، جو اسے ہر دور میں قابلِ مطالعہ اور قابلِ رہنمائی بناتی ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-17
ماخذ تحقیقی مجلہ

حوالہ جات

١. غلام رسول مہر، مولانا، مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز س ن، ص:2۷۴

٢. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور, ص۷۴

٣. غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص۴۶۸

۴. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص ۴۷۱

۵. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص ۴۶

٦. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص۴۶۹

۷. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص ۴۷۰

٨. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص ۴۷۰

٩. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص۴۶۷

١٠. مطالب کلام اقبال اُردو، لاہور، ص۴۶۷